© rasailojaraid.com

شاہ ولی اللہؒ کے تفردات، امتیازات اور اجتہادات

محمد عابد
ریسرچ اسکالر شعبہ علوم اسلامیہ

ABSTRACT:

Shah waliullah was the most eminent Muslim scholar of 18th century. He was not only a great muffasir, faqeeh, muhadith, and sufi but also a prominent philosopher, revivalist, reformist and sociologist. He wrote on various topics and created magnificent literature on almost all aspects of Islam. One of his distinguished services was to identify the root causes of Muslim downfall in subcontinent and suggesting the ways for reformation and renaissance. Through his effective teaching he urged Muslims to be united and forget the differences prevailing in fiqh and sufism and strived hard to make synchronization among various sects. Besides, he completed the work to introduce teaching of Hadith in Hind, which was initiated by Mujadid Alif Sani. His major and splendid contribution was to present a fresh view of Islamic mode of life, in which he intellectually interpreted the whole philosophy of Muslim culture and civilization. Furthermore, extending views on ethical, political, economical and social facets in accordance with the needs of societal modernism, appeared to be one his another superb scholarly

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

endeavors. Through his charismatic personality he successfully patronized, led and trained a group of scholars, who served for the cause of Islam in the region. The effects of his movement encompassed to subcontinent, central Asia and Arabian countries, and overall he provided a basement for Islamic resurgence with respect to contemporary modernity.

شاہ ولی اللہ دہلوی ۴ شوال المکرم ۱۱۱۴ھ مطابق 21 فروری 1703ء بروز بدھ اپنی ننھیال قصبہ پھلت ضلع مظفر نگر یوپی میں پیدا ہوئے (۱) آپکا اصل نام احمد عرف ولی اللہ اور ہندوستان میں شاہ ولی اللہ کے نام سے مشہور و معروف ہوئے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق بعد میں والد صاحب نے قطب الدین احمد نام رکھا۔ آپ کا سلسلہ نسب والد کی طرف سے حضرت عمر فاروقؓ اور والدہ کی جانب سے حضرت موسیٰ کاظم تک پہنچتا ہے۔ آپکے والد ماجد شیخ عبدالرحیم ابوالفیض اپنے وقت کے نامور علماء میں سے تھے اور فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں شریک تھے شاہ صاحب کے دادا کا نام وجیہ الدین تھا جو صاحب سیف وقلم تھے (۲) شاہ صاحب کو 5 برس کی عمر میں قرآن کریم پڑھانا شروع کرایا گیا اور 7 سال کی عمر میں آپ نے ختم کیا۔ ایک سال فارسی کی درسی کتابیں پڑھانے کے بعد آپکو عربی صرف ونحو کی کتابیں پڑھائی گئیں۔ دس سال کی عمر میں والد صاحب نے آپکو مشہور و معروف صرف ونحو کی کتاب شرح ملا جامی پڑھادی تھی اور آپ میں عربی کی اچھی استعداد پیدا ہوگئی ،اسکے بعد معقولات ،فقہ و حدیث کی طرف توجہ ہوئی۔ 15 سال کی عمر میں نہ صرف آپ نے درسی علوم متداولہ کی تکمیل کی بلکہ حاذق علماء و فضلاء کی صف میں آپکا شمار ہونے لگا۔ والد صاحب کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ چند سالوں میں نصاب تعلیم ،علوم باطنیہ اور سلوک واشغال کی تکمیل کی اور والد صاحب کی طرف سے آپ کو بیعت وارشاد اور اجازت وخلافت عطا کی گئی۔ والد صاحب کی وفات کے بعد مسند درس وارشاد پر متمکن ہوئے۔ بارہ سال تک آپ درس وتدریس ،علوم وفنون پر غور وفکر اور کتب بینی وغیرہ میں منہمک رہے اور آپکی دینی ،عمرانی اور باطنی علوم میں کمالات کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ (۳)

بعد ازاں علمی وتحقیقی ذوق کی مزید تسکین کے لیئے آپ نے حجاز کا سفر اختیار کیا اور حرمین شریفین کے جید علماء سے علوم دینیہ میں مستفید ہوئے۔ ہندوستان واپس آکر آپ نے نہ صرف مسلمانان ہند بلکہ عالم اسلام کے لئے تعلیم وتعلم ،فقہ وحدیث ،شریعت وطریقت ،فلسفہ وکلام اور اصلاح معاشرت مختصر یہ کہ پورے اسلامی نظام حیات کی عالمانہ مجددانہ محققانہ اور حکیمانہ تشریح وتوضیح کی اور اسلامی نشاۃ ثانیہ کے مہتم بالشان کام کی راہ ہموار کی۔

شاہ ولی اللہ دہلوی کا ایک بے نظیر وقیع اور جمود شکن کام مسلمانان ہند کے لئے جن کی اکثریت عربی زبان سے نابلد تھی قرآنی تعلیمات کو عام کرنا تھا جو کر خواص کے چند طبقوں میں محدود ہوکر رہ گئی تھی۔ شاہ صاحب نے فتح الرحمان کے نام سے قرآن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کریم کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ 1151ھ مطابق 1730ء میں مکمل ہوا۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ مسلمانان ہند مذہبی، اخلاقی، علمی، عملی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی زبوں حالی کا شکار تھے۔ مسلم قومیت ٹکڑوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ہندووانہ رسم و رواج، یونانی افکار اور جاہلی طور طریقے فروغ پا رہے تھے۔ مذہبی فرقے آپس میں دست و گریباں تھے۔ سیاسی شیرازہ بکھر رہا تھا اور معاشرتی تنزل اور اخلاقی گراوٹ کا سامنا کر رہی تھی اس دور میں قرآن کریم کا ترجمہ ایک اجتہادی کام تھا جس پر آپ کی بہت مخالفت بھی ہوئی یہاں تک کہ دنیا پرست علماء اور گمراہ صوفی آپ کی جان کے درپے ہوئے مگر آپ کے پایہ استقلال میں کمی نہ آئی اور آپ نے قرآن کریم کے فہم کو عام کرنے کا کام جاری رکھا۔ کیونکہ آپ کے نزدیک یہی وہ سرچشمہ ہے جس سے استفادہ کرکے اقوام مسلم اپنی کھوئی ہوئی عظمت رفتہ کے حصول میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں آپ نے مسلمانوں کو باور کرایا کہ عجمی فلسفیانہ موشگافیوں میں اپنے آپ کو الجھا کر وہ مرکز سے دور ہوتے جا رہے ہیں اور مسلم زوال اور انحطاط کی بڑی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے علوم قرآن میں غور و فکر اور تفہیم و تدبر کو چھوڑ کر صرف ترتیل پر انحصار کیا ہوا ہے جس سے قرآن کریم کے حقیقی روح المعانی حاصل نہیں ہو سکتے لہذا الوہی پیغام تک رسائی حاصل کرنے کیلئے قرآن کریم کا سمجھ کر پڑھنا ضروری ہے۔ شاہ صاحب کا یہ ترجمہ گو فارسی کا پہلا ترجمہ قرآن نہیں تھا اس سے پہلے بھی کئی تراجم موجود تھے جس کا ذکر خود آپ نے کیا ہے تاہم دوسرے تراجم کے مقابلے میں آپ کے ترجمہ کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ رواں، سلیس جدید اسلوب سے ہم آہنگ اور بے تکلف ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس میں فصاحت و بلاغت اور زور بیان کی کمی نہیں۔ متداول اور عام فہم ہونے کے ساتھ اس میں شان نزول سے متعلق طویل واقعات کو بیان کرنے سے اعراض کیا گیا ہے اور ترجمہ سے مزید فائدہ اٹھانے کے لئے حواشی کا التزام ہے۔ یہ ترجمہ مکمل ہونے کے بعد کئی بار شائع ہوا اور عوام و خواص میں مقبول ہوا۔ اس ترجمہ کے ذریعے شاہ صاحب نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ اسلامی تعلیمات سے صحیح معنوں میں واقفیت حاصل کرنے کیلئے قرآن کریم کا سمجھ کر پڑھنا اور اسکے معانی و مطالب تک رسائی حاصل کرنا ناگزیر ہے۔

پھر اس پر بس نہیں، آپ نے ترجمہ قرآن کریم سے بھرپور فائدہ اٹھانے کے لئے تراجم کی اصولیات پر مقدمہ فی الترجمہ القرآن کریم، تاویل الاحادیث، فتح الخبیر اور الفوز الکبیر فی اصول التفسیر جیسی کتب لکھیں جس سے قرآن فہمی کو متعارف کرنے اور احیاء دین کی سعی و کاوش میں مدد ملی۔ قرآنی تعلیمات کو اسلامی معاشرے میں عام کرنے میں آپ کے بیٹوں شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین نے اردو میں عہد حاضر کی زبان میں قرآن کریم کے تراجم کئے۔ جس سے سرزمین ہند میں تفہیم قرآن کی روایت نفوذ پذیر ہوئی یہی نہیں بلکہ دوسری زبانوں مثلاً انگلش، فرنچ، جرمن، اطالین اور دوسری زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم کی روایت عام ہوئی۔

شاہ صاحب سرزمین حجاز میں جید علماء و شیوخ سے اکتساب و فیض علم کے بعد ہندوستان میں اصلاح عقائد، احساس و احتساب، دعوت و انقلاب اور احیاء علوم دین کے جس پروگرام کو لے کر آئے تھے علوم قرآن کی ترویج و اشاعت اس کی پہلی کڑی تھی اور یہ اسی کا ثمر تھا کہ آپ نے علوم و فہم قرآن کو متعارف کرا کے زمین ہند میں ایک طرف تو شرک و بدعات اور شخصیت پرستی پر کڑی ضرب لگائی تو دوسری طرف اعداء اسلام کی معاندانہ سرگرمیوں، انگریزی تہذیب، سامراجی نظام اور استعماری قوتوں کو پامال و سبوتاژ کیا۔ اور اس کے ساتھ ہی فرقہ پرستی میں مدہوش خوابیدہ ملت اسلامیہ کو جھنجھوڑا اور اسے ایک رشتہ وحدت میں منسلک ہونے کی ترغیب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دی۔(۴)

ہندوستان میں علم حدیث کی اشاعت بھی شاہ صاحب کا ایک تجدیدی کام تھا۔ فلسفے اور یونانی علوم کی چمک دمک نے ملت اسلامیہ کے قابل قدر اذہان کو اپنی گرفت میں لیا ہوا تھا۔ علماء کی اکثریت اسی لہو ولعب میں مبتلا تھی۔ قرآن کریم کی محکم آیات اور واضح پیغام کو چھوڑ کر آیات کے شان نزول، مشکل عبارات، متشابہات وغیرہ کی تاویل وتشریح ہی کو علم کا کمال سمجھا جاتا تھا۔ اس جانب امام غزالی اور ابن تیمیہ نے اصلاح احوال کی کوششیں کیں۔ سرزمین ہند کی علمی فضا بھی اس سے خالی نہیں تھی۔ علمی حلقوں کی اکثریت معقولات میں مصروف ومشغول تھی۔ حدیث کی تعلیم برائے نام تھی۔ مشکوٰۃ اور مشارق الانوار وغیرہ کچھ کتابیں پڑھ لی جاتیں اور یونانی علوم، فلسفہ، اور علم الکلام پر بیشتر وقت ضائع کیا جاتا۔

علم حدیث کی ابتداء سرزمین ہند میں شیخ علی متقی 975ء اور پھر ان کے شاگرد شیخ عبدالحق محدث دہلوی 1053ء نے کی جبکہ ساحلی علاقے مثلاً سندھ، گجرات وغیرہ، جہاں عرب علماء کی آمدورفت ہوتی رہتی تھی علم حدیث کی اشاعت ہوتی رہی تاہم جب شاہ ولی اللہ دہلوی کی کاوشوں سے ہندوستان میں درس وتدریس حدیث شروع ہوئی تو علم حدیث کی ترویج کا مرکز دہلی ہی قرار پایا۔(۵)

شاہ صاحب کو حدیث کے علم سے بہت وابستگی اور لگاؤ تھا۔ آپ کی سعی وکاوش سے برصغیر کے دینی مدارس میں علم حدیث نصاب تعلیم کا لازمی جز قرار پایا۔ حدیث کے درس کی مجالس، مکاتب اور حلقوں کا قیام عمل میں آیا اور بعد میں بہت سے علماء کی طرف سے کتب حدیث کی شروحات کا وسیع ذخیرہ سامنے آیا۔ آپ کے مطابق علم حقیقی اور دینی فنون کے سرمائے سے فیضیاب ہونے کیلئے فہم حدیث ناگزیر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور کسی بات پر آپؐ کی خاموشی وغیرہ رشد وہدایت کا سامان ہے اور جو جتنا اس سے اتصال رکھے اتنا ہی فلاح اور خیر کثیر کی دولت سے مستفید ہوگا۔

شاہ صاحب نے ہندوستان میں مولانا محمد افضل سیالکوٹی سے اور پھر ابو طاہر مدنی سے مدینہ منورہ میں جو اپنے وقت کے مشہور ومعروف محدث تھے کتب حدیث پڑھیں۔ ان کے علاوہ شیخ وفد اللہ بن شیخ سلیمان مغربی کی درسگاہ میں شرکت کی اور موطا امام مالک اول سے آخر سنائی۔ پھر شیخ محمد بن محمد سلیمان مغربی کی مرویات کی سند لی۔ مفتی مکہ شیخ تاج الدین حنفی کی خدمت میں صحاح ستہ کے مشکل مقامات کی سماعت کی۔ علاوہ صحیح بخاری کے موطا امام مالک، موطا امام محمد، کتاب الآثار امام محمد اور مسند دارمی کی سماعت کی۔ شیخ تاج الدین نے آپ کو تحریری اجازت اور سند حدیث دی۔ اسکے علاوہ دوسرے مشائخ ومحدثین مثلاً شیخ سناوی، شیخ عبداللہ بن سالم بصری اور شیخ احمد نخلی سے استفادہ کیا۔(۶)

ہندوستان واپس آکر آپ نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی جنھوں نے ہند میں ترویج حدیث کی ابتداء کی تھی کے کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا اور آج جو برصغیر میں علوم ومعارف حدیث کی ترویج واشاعت ہو رہی ہے تو یہ شاہ صاحب کی محنتوں کا ثمر ہے۔(۷)

علم حدیث میں شاہ صاحب نے کتابیں بھی تصنیف کیں۔ مثلاً موطاء امام مالک کی شرح "مصفیٰ" اور "مسوّی"، "شرح تراجم ابواب صحیح بخاری"، "الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم"، "الاربعین"، الارشاد فی مہمات علم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الاسناد"، "الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ واسانید وارثی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"، "النوادر من احادیث سید الاوائل والاواخر" وغیرہ ہے۔(۸)

اسکے علاوہ آپ کی ایک اہم تصنیف "حجۃ اللہ البالغہ" ہے، جسمیں شاہ صاحب نے اسرار حدیث وفقہ کے موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ شاہ صاحب کے نزدیک اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح بخاری کے بجائے موطا، امام مالک ہے اسکی وجہ شاید یہ ہے کہ وہ فقیہ کو محدث پر فائق سمجھتے تھے اس لئے انھوں نے ایک فقیہ محدث کی کتاب کو ایک محدث کی صحیح پر فوقیت دی۔(۹) آپ کے نزدیک مجموعہ حدیث موطا سب سے قدیم اور مستند ہے اس میں اختصار کی خوبی بھی ہے اور اس میں ان احادیث کو جمع کر دیا گیا جن سے مسائل کے استنباط میں مدد ملتی ہے۔(۱۰) حدیث کے درس وتدریس میں آپ نے اصلاحی اور انقلابی طرز کو اختیار کیا یہی وجہ ہے کہ آپ کو محدث کا لقب دیا گیا اور آپ کے طریقہ تدریس حدیث کو "ولی اللہی" کے نام سے منسوب کیا گیا۔(۱۱)

شاہ صاحب کے مطابق جب قرآن کریم میں کوئی چیز صراحت کے ساتھ مذکور ہو تو محدثین کے نزدیک کسی دوسری چیز کی طرف التفات کرنے کی ضرورت نہیں اور اگر قرآن کریم میں کسی معاملے میں تاویل کی گنجائش ہو اور کئی معنوں کا احتمال ہو تو سنت کے حکم کا اعتبار کیا جائے گا اور قرآن کریم کے اس مطلب کو نافذ کیا جائے گا جس کی تائید سنت سے ملتی ہو اگر کسی مسئلے کے متعلق قرآن کریم میں حکم نہ ملے تو عمل ایسی سنت پر ہوگا جو فقہا میں متعارف ہو۔ جب کسی معاملے میں صحیح حدیث میسر آ جائے تو کسی مجتہد یا امام وغیرہ کی ایسی بات کو نہ تو قبول کیا جائے اور نہ اثر لیا جائے جو اس حدیث کے خلاف ہو اور ایسی صورت میں جب کسی مسئلے میں باوجود پوری کوشش کے کوئی صحیح حدیث نہ ملے تو بلا تخصیص قوم وشہر کے صحابہ وتابعین کے اقوال پر عمل ہوگا۔(۱۲)

شاہ صاحب کے شیخ ابو طاہر مدنی فن حدیث میں شاہ صاحب کی قابلیت کے معترف تھے۔ آپ نے کہا شاہ صاحب مجھ سے لفظ کی سند لیتے ہیں اور میں ان سے حدیث کے معانی ومفاہیم میں مستفید ہوتا ہوں۔ سفر حرمین میں حج کے موقع پر علم حدیث سے تعلق رکھنے والے حضرات کی درخواست پر آپ نے المسجد الحرام کے مصلیٰ حنفی پر حدیث کا درس دیا اور کثیر تعداد میں لوگوں نے استفادہ کیا۔(۱۳) ہندوستان میں شاہ صاحب کے شاگردوں کی فہرست طویل ہے اور برصغیر پاک وہند کے اکثر مدارس میں سند حدیث کی اجازت کی روایت شاہ صاحب سے منسوب ہے۔(۱۴)

فقہ میں شاہ صاحب کا امتیازی کام یہ ہے کہ انھوں نے نہایت شرح وبسط سے شرعی احکام کی عقلی توجیہات بیان کیں۔ احکام کے اسرار اور حکمتوں کو دلائل وبراہین سے پیش کیا اور فقہی مکاتب کے درمیان ہم آہنگی پیدا کی اور افہام وتفہیم کی راہ دکھائی۔ اس سے فقہی اسکولز میں باہمی اختلافات اور دوریاں کم ہوئیں اور امت مسلمہ میں اخوت ومودت کی راہ ہموار ہوئی آپ نے اپنی تعلیمات میں بلند حوصلگی اور ایک دوسرے کے لئے کریمانہ جذبات واحساسات رکھنے کی ضرورت پر زور دیا نیز عبادات ومعاملات، اخلاق ومعاشرت غرض ہر شعبہ میں انکی تعلیمات اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر گامزن ہوتے ہوئے باہمی یکجہتی اور اتحاد کی تلقین کی اور ہر طرح کے انتشار، افتراق اور گروہ بندی سے احتراز کا درس دیا۔ انھوں نے عوام الناس کو ہی نہیں بلکہ علماء کرام کو بھی اس طرف متوجہ کیا اور اپنی زیر نگرانی علماء کی ایک جماعت تیار کی جو خالص توحید کا پیغام پہنچاتے ہوئے مسلمانوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں اتحاد و تقرب کی فضا پیدا کرے۔ آپ کی ان مساعی کے نتیجے میں فقہی مسالک میں بے جا تعصبات کا غبار صاف ہوا اور تقلید بلا تحقیق اور فقہا کے اقوال کو حرف آخر سمجھنے کے جمود سے آزادی ملی اور اسلام کی نشر و اشاعت اور فروغ میں بہتری آئی۔ علماء کا رجوع قرآن و سنت کی طرف مائل ہوا اور وہ اقوال و اعمال فقہا میں ان چیزوں کو ترجیح دینے لگے جو کتاب و سنت سے زیادہ سے زیادہ قریب ہوں۔ شاہ صاحب نے اس بات پر زور دیا کہ فقہاء کے استحسان کے مقابلے میں اگر کوئی صحیح حدیث مل جائے تو حدیث ہی پر عمل ضروری ہے۔ انھوں نے علما کو متنبہ کیا کہ صرف فلسفہ، معقولات، علم الکلام اور صرف و نحو وغیرہ ہی اصل علم نہیں کہ اپنی کاوشوں اور اوقات کا بیشتر حصہ انھی گتھیوں کو سلجھانے میں لگا دیا جائے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اصل علم قرآن کریم کی محکم آیات ہیں اور اخلاق فاضلہ کا علم اور علم الفرائض جس سے بہت سے عوام و خواص غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ شاہ صاحب کا نظریہ تھا کہ کسی ایک فقہی مکتب سے تعلق اور وابستگی رکھتے ہوئے دوسرے مکاتب کو غلط سمجھنا صحیح نہیں۔ شاہ صاحب خود حنفی نقطۂ نظر سے وابستہ تھے لیکن خود ایک مجتہد بھی تھے اور آپ کی تصانیف اور افکار میں یہ شان نمایاں ہے۔ آپ عراقی و حجازی فقہ کے اتصال کے حامی تھے تاکہ مسلمانان عالم فکری طور پر مستحکم ہوں، اختلافات کی راہیں مسدود ہوں تعصب، مسلک پرستی اور تنگ نظری کی جگہ مسلم تشخص کا احیاء ہو اور جدید مسائل میں بحیثیت مجموعی اجتہاد کو بروئے کار لاکر مسائل سے نبرد آزما ہوا جاسکے آپ کے نزدیک اجتہاد کا عمل جاری و ساری ہے اور یہ دروازہ بند نہیں ہوا۔ اور مسلم تہذیب و تمدن کو عہد حاضر میں اپنی جداگانہ حیثیت برقرار رکھنے کے لئے اور اسلامی نشاۃ ثانیہ کے حصول کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لئے عہد جدید کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونا ضروری ہے۔ اس مقصد کے حصول کو یقینی بنانے کے لئے فقہی مسالک میں ربط و ہم آہنگی ناگزیر ہے۔ شاہ صاحب نے فقہی مکاتب فکر کی طرح حدیث و فقہ میں بھی تطبیق کی اور یہ ایسا کام تھا جس سے عالم اسلام میں اتحاد بین المسلمین کی صورت جلوہ گر ہوئی اور مسلم فرقوں کے مابین افتراق و انتشار کی شدت میں کمی آئی۔(۱۵)

شاہ صاحب نے اپنے عہد کے عمیق مطالعے اور مشاہدے کے بعد یہ اندازہ لگایا تھا کہ اختلافی مسائل میں مسلم فرقوں کی ضرورت سے زیادہ دلچسپی، تقلید اور عدم تقلید، فروعی مسائل پر بے جا مباحث کا مشغلہ اور ایک دوسرے پر تکفیر کی روایات جڑ پکڑنے سے مسلم وحدت شدید اضمحلال کا شکار ہے۔ لہٰذا آپ نے مسلمانوں کو اپنی تحریر و تقریر سے رواداری اور مفاہمت کی راہ دکھائی اور اس سلسلے میں کئی کتب بھی تصنیف کیں۔ مثلاً "الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف" اور "عقد الجید فی بیان احکام الاجتهاد و التقليد" وغیرہ جسمیں آپ نے مصلحانہ اور بصیرت آموز حکمت سے امت مسلمہ کی رہنمائی کی ہے اور علما کو دانشورانہ اور عالمانہ سطح پر معتدل مطمح نظر اختیار کرنے کی دعوت دی۔ شاہ صاحب حنفی ہونے کے باوجود کئی معاملات میں خود اجتہاد کو اختیار کرتے تھے اور اپنے عہد میں آپ نے جو فقہی خدمات سرانجام دیں اس لحاظ سے آپ فقہ حنفی کے مجدد تھے۔ لیکن اس کے باوجود ایسا نہیں ہے کہ آپ نے تحقیق و تدقیق میں تقلید سے آزاد ہوکر اقوال ائمہ اربعہ کا لحاظ نہ کیا ہو۔(۱۶)

شاہ صاحب کے مطابق اگر کسی مسئلے میں فقہاء و خلفاء کی اکثریت متفق ہو تو اسے اعتبار کے لئے کافی سمجھا جائے۔ اور اگر اختلاف ہو تو جو زیادہ متقی ہو اور جس کے متعلق صحیح حدیث یا مشہور روایت مل جائے تو اسے قبول کیا جائے۔ اور اگر تمام علم و ورع میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک جیسے ہوں تو پھر متعدد اقوال میں سے کسی پر بھی عمل کیا جا سکتا ہے اور اس معاملے میں کسی تعصب سے کام نہ لیا جائے۔ اور پھر بھی اگر اس میں اطمینان نہ ملے تو قرآن وسنت کے عمومی احکامات پر غور وخوض کر کے مسئلے کے استنباط کی راہ نکالی جائے اور اس میں فقہ کے اصول وکلیات پر اعتبار کے بجائے قلب اور ضمیر کے اطمینان پر اعتبار کیا جائے۔ شاہ صاحب کا نظریہ تھا کہ فلسفہ تشریع کی اشاعت کیلئے فقہی جمود کی گرفت سے نکل کر مختلف مسالک میں باہم ارتباط کی فضاء پیدا کی جائے۔ (۱۷)

شاہ صاحب فقیہہ ومحدث ہونے کے ساتھ صوفی بھی تھے۔ تصوف میں شاہ صاحب کا امتیازی کام آپ کی وہ کتب ہیں جس میں آپ نے طریقت کے اسرار و رموز کو نہایت شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور انمیں بہت سے ایسے معارف کا بیان ہے جن کا تذکرہ شاہ صاحب سے پہلے کی کتب میں نہیں ملتا اور بہت سے ایسے نکات جو صوفی کی کتب میں پہلے اشارۃً مذکور تھے آپ نے انکی تشریح وتوضیح کی۔ اسکے ساتھ ہی تصوف میں ایک طرف تو آپ کا اجتہادی کام من حیث المجموع تصوف کے مروجہ طریقہ کار میں اصلاح عقائد، بدعات کا استیصال اور مشرکانہ رسم ورواج کی بیخ کنی تھا تو دوسری طرف آپ کا امتیازی کام سلاسل تصوف میں عداوت، انتشار، کشیدگی اور تعطل کو ختم کر کے باہمی یگانگت اور موافقت پیدا کرنا تھا۔ آپکی معتدل اور متوازن فکر کے باعث تصوف کے سلسلوں میں باہمی اختلافات دور ہوئے اور تقرب ویکجہتی کی فضاء قائم ہوئی۔ آپ نے شریعت وطریقت میں اتحاد واتصال پیدا کرنے کی کوشش کی اور علماء وصوفیاء کے تفرقات کو دور کیا۔ شریعت اور علم معرفت کے بہت سے مباحث میں تحقیق کی۔ تصوف کے وہ مباحث جو تحقیق سے بالاتر ہیں کی تشریح کی۔ تقرب الی اللہ کے لیے شریعت کی پابندی کا درس دیا اور عالم ربانی کے آداب وشرائط بیان کئے۔

والد صاحب سے بیعت ہونے، دستور تزکیہ نفس کے مراحل طے کرنے اور ایک عرصہ درس وتدریس اور دعوت وارشاد کے منصب پر فائز رہنے کے بعد حرمین شریفین کے سفر میں سب سے زیادہ استفادہ آپ نے شیخ ابوطاہر بن ابراہیم الکردی المدنی سے کیا۔ آپ نے ان سے جو فیض حاصل کیا اس کی آپ کی نظر میں بہت قدر ومنزلت تھی۔ شیخ صاحب نے آپ کو سلسلہ تصوف کی اجازت دی اور خرقہ عطا کیا جسے آپ نے تمام خرقوں کا جامع کہا ہے۔ سفر حرمین کے بعد بھی شاہ صاحب کے صوفیانہ افکار متبدل نہیں ہوئے اور نہ شاہ صاحب کے محدثانہ اور صوفیانہ افکار میں کوئی تفاوت واقع ہوا۔ (۱۸)

شاہ صاحب کا دور جسطرح سیاسی، معاشی اور معاشرتی اعتبار سے تنزل کا شکار تھا اسی طرح اسلامی فکر وتعلیم مسلکی فرقوں میں بٹی ہوئی تھی۔ تصوف میں بھی ایرانی، یونانی، مسیحی اور ہندی رسوم وعقائد اثر پذیر ہو رہے تھے اور یہ سمجھنا مشکل تھا کہ تصوف عقیدہ ہے نظریہ حیات ہے یا فلسفہ۔ صوفیوں کی اکثریت گوشہ نشینی، رہبانیت اور مسائل زندگی سے فرار کا شکار تھی۔ اسکے باوجود عوام الناس قلندروں اور مجذوبوں سے متاثر تھے۔ خود سلاسل تصوف افراط وتفریط اور باہمی چپقلش میں پڑے ہوئے تھے اور مسائل تصوف مثلاً شیخین کی فضیلت، شریعت وطریقت میں تلازم، ذکر جہر، تصور شیخ، توسل، تصوف اور توحید خالص، نسبت، وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود وغیرہ مباحث میں دست وگریباں تھے۔ شاہ صاحب نے ان حالات میں اپنے علم وعمل اور تحریر وتقریر سے فہم ودانش کی راہ دکھائی، سلاسل تصوف کے غیر اسلامی عقائد اور رسوم ورواج پر تنقید کی اور عقل ونقل کی تطبیق کے ذریعے مسائل میں وجوہ اشتراک کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنیاد پر راہ وسط کا تعین کیا۔ شاہ صاحب نے تصوف کے موضوع پر جو کتب تصنیف کیں ان میں "القول الجمیل فی بیان سواء السبیل"، "سطعات"، "ہمعات"، "الخیر الکثیر"، "انفاس العارفین"، "الطاف القدس فی معرفۃ لطائف النفس"، "ہوامع شرح حزب البحر"، "کشف الغین فی شرح رباعیتین" اور "الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ و اسانید وارثی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" وغیرہ ہیں جسمیں شاہ صاحب نے علم حقیقت، تزکیہ نفس، لطائف باطنہ اور تصوف کے متعلقہ مباحث میں کلام کیا ہے۔(۱۹)

شاہ صاحب کے تفردات کا ایک رخ یہ ہے کہ انہوں نے انسان کی روحانی و مادی اور علمی و عملی دونوں پہلوؤں پر تفصیلاً روشنی ڈالی ہے اور اپنے فکر و فلسفہ میں حیات انسانی کے ان دونوں اطراف و آفاق میں جذب و انضمام کی ضرورت پر زور دیا۔ آپ نے دینی و دنیوی ضروریات کی تکمیل میں مطابقت پیدا کر کے پورے اسلامی نظریہ حیات کی تشریح و ترجمانی کی۔ آپ مفسر، محدث، فقیہ اور صوفی ہونے کے علاوہ ماہر عمرانیات بھی تھے۔ دینی و عمرانی علوم میں ارتباط کے ذریعے آپ نے نہایت مدبرانہ انداز میں اسلامی تعلیمات کی وضاحت کی ہے۔ آپ کی یہ تحریر بحث "اقترابات" اور "ارتفاقات" پر مشتمل ہیں۔ اقترابات میں ان احکام، اسرار اور حکمتوں کا بیان ہے جنکا تعلق بندے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ہے اور انسانی تہذیب، سیاست، معیشت اور معاشرت کا تذکرہ ارتفاقات میں ہے۔ شاہ صاحب کی کتب "حجۃ اللہ البالغۃ"، "البدور البازغۃ" اور "الخیر الکثیر" میں اقترابات اور ارتفاقات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔(۲۰)

شاہ صاحب کے مطابق تہذیب و تمدن انسانی کی چار منازل ہیں ارتفاق اول، دوم، سوم اور چہارم۔ ارتفاق اول کا تعلق انسانی زندگی کی بنیادی ضروریات سے ہے۔ اور اسکے پورا کرنے میں رفتہ رفتہ جدت آتی ہے۔ اور اسکی تعلیم نوع انسانی کو خود بخود ودیعت کی جاتی ہے کہ وہ کس طرح وقت کے تقاضوں کے مطابق ان میں ندرت پیدا کرے۔ بنیادی ضروریات وہ ہیں جن کی تمام انسانوں کو یکساں ضرورت ہے مثال کے طور پر کھانے، پینے اور مکان کی ضرورت انسان کو دوسری مخلوقات کے مقابلے میں ان بنیادی ضروریات کی تکمیل میں جو اضافی چیزیں دی گئی ہیں اس میں اجتماعی معاشرت کا تصور، لطافت اور ذوق حسن و جمال، ایجاد، جدت، تنوع اور باہمی تقلید و مودت وغیرہ ہیں، یہ چیزیں انسانی معاشرت کی بنیاد ہیں اور اقوام عالم مشترکہ طور پر اسے اپنی فلاح اور بقاء کیلئے ناگزیر سمجھتی ہیں یعنی مختلف چیزوں کی تحصیل میں ایک دوسرے پر انحصار اور ایک دوسرے کی مدد۔ ارتفاق دوم کی منزل وہ ہے جسمیں ارتفاق اول کی ضروریات کی تحصیل میں نفع و نقصان، عقائد، رسم و رواج، آداب و قوانین کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ اگر یہ کسی مذاہب یا کلیہ کی پاسداری نہ کریں تو انہیں قبول نہیں کیا جاتا۔ متبادل راستہ تلاش کیا جاتا ہے ترامیم کی جاتی ہیں اور اسے مصلحت و حکمت سے قبول کئے جانے کے قابل بنایا جاتا ہے۔ یعنی طعام، لباس اور رہائش اور مستقبل میں پیش آنے والے متفرق متوقع حالات سے نبرد آزما ہونے کے لئے اقوام و ملل اپنے رجحانات اور ترجیحات کو بروئے کار لاتے ہوئے فیصلہ سازی کرتی ہیں اس کے علاوہ ارتفاق دوم میں خاندان، مرد و عورت کے حقوق، تربیت اولاد، آقا اور خادم کے باہمی حقوق و فرائض، غریب نادار محتاجوں کی خبر گیری اور طبابت وغیرہ کے امور ہیں جو تہذیب کے ارتقائی دور سے گزر کر زیادہ متمدن طرز زندگی کی طرف رجوع ہے۔ اسکے بعد ارتفاق سوم ہے جسکا تعلق سیاست سے ہے۔ یعنی ایک معاشرے کے لوگ کس طرح بنی نوع انسان ہونے کے ناطے ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرے سے باہم مربوط ہیں۔ چونکہ انسان اپنی جملہ ضروریات کی تکمیل تنہا نہیں کر سکتا بلکہ ایک دوسرے پر انحصار کئے ہوئے ہے اس لئے اس صورت میں ایک ایسے سیاسی نظام کا ہونا ضروری ہے جس سے باہمی تعاون اور ایک دوسرے کی مدد کا جذبہ پروان چڑھ سکے اور پھر اس نظام کے قیام کے لئے لائحہ عمل اور قوانین کا موجود ہونا اور اسے چلانے کے لئے مخلص حکمرانوں کا ہونا ضروری ہے جو اسے نظم ونسق اور حکمت کے تابع رکھ سکیں اور فساد، انتشار اور بد امنی کا سدباب کر سکیں۔ پھر ان حاکموں کی مدد ومعاونت کے لئے صالح افراد اور عملے کی ضرورت ہے جو نیک نیتی اور دیانت سے عادلانہ نظام حکومت کے قیام کے لئے کوشاں ہو۔ حکومت کی وسیع ذمہ داریوں اور بڑھتی ہوئی آبادی میں رعایا کی خبر گیری اور رفاہ عامہ کے مقاصد کے لئے مالیات کی فراہمی ایک ضروری امر ہے جسے رعایا سے جائز طریقوں کو مد نظر رکھتے ہوئے وصول کیا جائے۔ اور اسکی تحصیل محافظت اور خرچ میں ایسے افراد متعین کئے جائیں جو قوم سے وفادار ہوں۔ مزید برآں اپنی رعایا کو شر پسند عناصر اور اندرونی بیرونی خطرات سے محفوظ رکھنے کے لئے حکومت کو عسکری صلاحیت کے حصول اور اسکی تنظیم کی بھی ضرورت ہے جس میں ایسے لوگ رکھے جائیں جو بلند اوصاف کے حامل ہوں اور اپنی قوم سے بے لوث محبت رکھتے ہوں۔

شاہ صاحب کے مطابق ارتفاق چہارم اس وقت ظہور پذیر ہوتا ہے جب آبادی بڑھ جائے اور مختلف ریاستوں یا صوبوں میں تقسیم ہو جائے۔ ہر ریاست کا ایک ناظم ہو اور اس کے پاس اس کا نظم ونسق چلانے کیلئے، اختیارات، مالیات اور عسکری صلاحیت ہو لیکن چونکہ طبائع میں یکسانیت نہیں ہوتی اس لئے اختلافات بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اور اس طرح آپس میں ایک دوسرے سے رقابت اور کشیدگی کی وجہ سے انتشار وافتراق کے پھیلنے کا خدشہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اس صورت میں ایک ایسے حکمران کی ماتحتی میں رہنا پڑتا ہے جس کے پاس اتنی افواج اور طاقت ہو کہ تمام ریاستی حکام اس کے تابع اور ماتحت رہیں۔ اس طرح ارتفاق چہارم میں معاشرہ ایک بین الاقوامی حکومت کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ لیکن جب معاشرے کی اکثریت روحانی اور اخروی مقاصد کے مقابلے میں مادیت اور دنیوی راحت آرام وآسائش کو زیادہ اہمیت دینے لگتی ہے تو معاشرے کی بنیادیں کمزور پڑ جاتی ہیں اور معاشرہ تنزلی کی طرف مائل ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ ایسے حالات میں باہمت اور باکردار شخصیات معاشرے کی تعمیر نو کیلئے سامنے آتی ہیں اور اپنے فکر وعمل سے معاشرے کی رہبری کا فریضہ سرانجام دیتی ہیں۔ شاہ صاحب نے معاشرے کے زوال میں اقتصادی پہلو کو بہت اہمیت دی ہے۔ اور کہا ہے کہ اقتصادیات کا معاشرے کی اخلاقیات پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ آپ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ معاشرے میں تنزل کی ابتداء اس وقت شروع ہوتی ہے جب ایک طبقہ دوسرے طبقے کی معیشت پر ناجائز قابض ہو۔ اس معاشی استحصال سے معاشرے کی مجموعی اخلاقیات متاثر ہوتی ہے اس لئے عادلانہ معیشت کے نظام کا قیام ناگزیر ہے۔ شاہ صاحب کے مطابق اسلامی تعلیمات ارتفاق رابع کے قیام کی طرف اشارہ کرتی ہیں اور فی الحال اگر اس کا حصول ممکن نہیں ہو تو اس سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ مسلسل جد وجہد اور سعی وکاوش درکار ہے جس کا محور اسلامی تعلیمات ہوں اور جب تک ارتفاق رابع قائم پذیر نہ ہو تو ارتفاق ثالث کی اقامت کی کوشش کی جائے۔(۲۱)

شاہ صاحب کی شخصیت کا ایک امتیازی پہلو یہ ہے کہ آپ نے اسلامی تہذیب کے تقریباً ہر پہلو پر گرانقدر تصانیف لکھیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مثلاً تفسیر، سیرت، فقہ، حدیث، عقائد، علم الکلام، تصوف، سیاست، معیشت، معاشرت وغیرہ۔ آپ نے اپنی کتابوں کے ذریعے اسلامی نظام حیات کی حکیمانہ تعبیر و تفسیر پیش کی۔ تصنیف میں آپ کے انہماک کا یہ عالم تھا کہ اشراق سے دوپہر تک مستقل مزاجی سے کام کرتے رہتے۔ مولانا منظور احمد نعمانی اور ندوی صاحب کے مطابق آپ کی تصانیف کی تعداد چھیالیس ہے۔ جبکہ بعض دوسرے محققین کے نزدیک آپ کی تصانیف اس سے زیادہ ہیں آپ کی کئی کتب حالات کے باعث ضائع ہوئیں اور بہت سی طبع نہیں ہوسکیں اور ایسی کتب بھی ہیں جو اس وقت کمیاب اور نایاب ہیں۔ بعض کتب ایسی ہیں جو آپ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں لیکن درحقیقت وہ آپ کی لکھی ہوئی نہیں ہیں۔ اب کچھ ایسے ادارے وجود پذیر ہو رہے ہیں جن کی کوششوں سے آپ کی غیر طبع شدہ اور نایاب و گمنام کتابوں کے منظر عام پر آنے کی توقع ہے۔ (۲۲)

شاہ صاحب نے ادیان و مذاہب کے مطالعے کے بعد ان میں مضمر مشترکہ حقیقت کی وضاحت کی۔ آپ نے ان ارکان کی تشریح کی جو مختلف مذاہب میں اصلاً مقصود تھے۔ آپ نے چار خصلتوں کا ذکر کیا ہے جو حقیقتاً تہذیب انسانی کی بنیاد ہیں یعنی طہارت، اخبات (خشوع و خضوع)، سماحت (فیاضی اور ضبط نفس) اور عدالت یہی چار اخلاق ہیں جن پر دوام عمل سے انسانی سیرت کی تشکیل ہوتی ہے اور اس کے مقابلے میں رزائل اخلاق کی جتنی بھی صورتیں ہیں وہ انہی چار اخلاقیات کی ضد ہیں۔ یہ اخلاق کاملاً اسلام، عیسائیت اور یہودیت میں تو بالکل عیاں ہیں اور چینی، ہندی، ایرانی، یونانی اور مصری مذاہب کے افکار و تعلیمات میں بھی نمایاں ہیں شاہ صاحب نے دستور تزکیہ نفس کے حوالے سے ان چاروں خصائل پر حکیمانہ بحث کی ہے۔ اور ملل و اقوام کیلئے فلسفہ اخلاق کی ایسی منہاج مہیا کی ہے جو کرہ ارض کے تمام انسانوں کے لیے ایک عالمگیر وحدت اور برادری میں مربوط ہونے کا پیغام دیتی ہے۔ فلسفہ اخلاق کی اس نہج پر تشریح و ترجمانی اور عمومی طور پر اقوام عالم کو فکر و عمل اور تہذیب نفس کی تعلیم و تلقین بھی شاہ صاحب کے امتیازی کاموں میں سے ایک ہے۔ (۲۳)

شاہ صاحب کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ مجتہد کے درجے پر فائز تھے۔ اور فقہ حنفی میں آپ نے تجدید بھی کی لیکن عملاً فقہ حنفی پر کاربند بھی رہے۔ تاہم اس کے باوجود آپ کی طبیعت کا رجحان فقہ شافعی کی طرف بھی تھا۔ لیکن ان تمام باتوں کے علاوہ یہ بھی ہے کہ آپ اپنے آپ کو مذاہب اربعہ میں مقید رکھتے تھے۔ شاہ صاحب نے علم اور یقین پیدا کرنے کے لئے قرآن و سنت کے بعد اجماع کو اہم قرار دیا (۲۴)

شاہ صاحب کا ایک انفرادی پہلو یہ تھا کہ آپ نے مسلم نشاۃ ثانیہ کیلئے "فک کل نظام" یعنی ہمہ گیر انقلاب کے نظریہ کو پیش کیا۔ آپ نے ہندوستان کی اقتصادی زبوں حالی کی وجوہات میں روم اور ایران کی استحصالی حکومتوں کی مثال دی۔ اور ان حکومتوں کے ظالمانہ اور جابرانہ نظام کے خاتمے کو بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہم مقاصد میں سے ایک قرار دیا۔ اور اس عادلانہ نظام کے قیام کے لئے شاہ صاحب نے جو حکمت عملی اختیار کی اس میں حکومت سے جنگ و جدال کرنے کے بجائے پہلے رائے عامہ کو ہموار کرنے کی ضرورت پر زور دیا جس کے لیے آپ نے پہلے پہل تعلیم و تربیت کے نظام و مراکز کو قائم و مستحکم کیا (۲۵)

شاہ صاحب کی سیاسی تحریک کی ابتدا مدرسہ رحیمیہ سے ہوئی اس تحریک کا اثر ہندوستان، وسط ایشیا، اور عرب ممالک تک ہوا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اس کے قابل ذکر مراکز میں دہلی اودھ، جنوبی ہند، سندھ کے علاوہ بیرون ہند کے کئی مقامات شامل تھے۔ اس دور میں آپ کی جماعت میں شامل اراکین علماء کا کام اور اثر و رسوخ دور دراز علاقوں تک محیط تھا۔ ان میں مولانا محمد امین ولی اللہ کشمیری، شاہ عبدالعزیز دہلوی، مولانا مخدوم لکھنوی، مولانا عاشق پھلتی، مولانا شاہ ابوسعید رائے بریلی، مخدوم ملا معین الدین، اور مولانا نور اللہ وغیرہ شامل تھے۔ شاہ صاحب نے حکومتی نظام کے لئے جو نظریات اور تصورات دئے ان کا تذکرہ ان کی کتاب البدور البازغہ میں ہے۔ اس میں آپ نے نظام حکومت و سیاست پر تبصرہ کیا اور ترقی پذیر سلطنت کے قیام اور اسے چلانے کے اصول و ضوابط اور ضروریات پر روشنی ڈالی ہے۔ اس سلطنت کی سربراہی کے لئے جامع، اعلیٰ اور بہترین صلاحیت رکھنے والے فرد کیلئے آپ نے "امام الحق" کا نام تجویز کیا اور کہا کہ اگر اس صلاحیت کی قیادت دستیاب نہ ہو تو ابتداً کچھ دانشور اور صاحب علم و عمل حضرات کی شوریٰ اس منصب کے فرائض انجام دے۔(۲۶)

یہ بات قابل توجہ ہے کہ 1789ء کا انقلاب فرانس جسے جمہوریت و آزادی کا سنگ میل کہا جاتا ہے شاہ صاحب کے 26 سال بعد رونما ہوا۔ جب کہ اقتصادی انقلاب کے مفکر کارل مارکس کی پیدائش شاہ صاحب کے 55 سال بعد ہوئی۔ گویا شاہ صاحب نے فرنچ انقلاب سے 50 سال اور اشتراکی انقلاب سے 150 سال قبل اپنی تصنیفات اور فکر و عمل سے دور جدید کے تقاضوں کو پورا کرنے والے دستور العمل اور اسلامی نظام حیات کے تمام گوشوں مثلاً سیاست، معیشت اور معاشرت کی تشریح و توضیح کردی تھی جو بین الاقوامی مسائل کے حل اور بحیثیت مجموعی بنی نوع انسان کی دنیوی و اخروی کامیابی کی ضامن ہے۔ لیکن شاید شاہ صاحب کو صحافت و میڈیا کی وہ پذیرائی میسر نہیں آئی جو انقلاب فرانس اور کارل مارکس کے داعیان کو ملی۔ ورنہ آج دنیا کی تاریخ مختلف ہوتی۔(۲۷)

اپنی معرکۃ الآرا کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں شاہ صاحب نے مسلمانوں کے زوال کے جو اسباب بتائے ان میں اہم ترین ملوکیت اور شہنشاہیت تھی۔ حکومتی اراکین نے عوام الناس پر بے جا ٹیکسوں کو عائد کر رکھا تھا اور خود ان کی معیشت پر قابض تھے اس معاشی اور معاشرتی استحصال کے باعث پورا نظام زندگی زوال پذیر ہوا۔ شاہ صاحب نے اس کا حل یہ تجویز کیا کہ پورے نظام کو بدلا جائے اور ہر شعبہ حیات میں انقلابی تبدیلیاں عمل میں لائی جائیں۔(۲۸)

آپ کا نظریہ بادشاہت کے خلاف تھا۔ اور آپ نے خلافت راشدہ کی طرز پر سیاسی نظریات کی ترویج کی اور بادشاہی نظام کو خلافت راشدہ کے سیاسی نظام سے روگردانی قرار دیا۔ آپ کے نزدیک خلافت یعنی حکومتی سربراہی کا مقصد اولین اقامت دین ہے اور اسلام عبادات کے ساتھ مکمل طرز زندگی کا نام ہے چنانچہ اسلامی خلافت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اسلامی تعلیم، قانون، سیاست، معیشت اور تہذیب و ثقافت کی ترجمانی کرتے ہوئے اسے فروغ دے اور ان تمام امور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ اور ہدایت پر کاربند رہے۔(۲۹)

حوالہ جات

۱۔ عطاء الرحمٰن قاسمی، شاہ ولی اللہ اور ان کے افکار و نظریات، (مکتبہ خلیل 2005ء)، ص 260

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۔ ایضاً، ص424، 60-61

۳۔ ایضاً، ص425، 426

۴۔ حسین محمد قریشی، ڈاکٹر، شاہ ولی اللہ دہلوی کے فقہی افکار کا تحقیقی جائزہ، (جدید پبلیکیشنز 2010ء)، ص80_82

۵۔ محمد عبیداللہ فلاحی سعدی، مفتی، فقہ ولی اللّٰہی، (مجلس نشریات اسلام، 2004ء)، ص170، 172

۶۔ عطاء الرحمٰن قاسمی، شاہ ولی اللہ اور ان کے افکار و نظریات، (مکتبہ خلیل 2005ء)، ص427

۷۔ ایضاً، ص417، 418

۸۔ حسین محمد قریشی، ڈاکٹر، شاہ ولی اللہ دہلوی کے فقہی افکار کا تحقیقی جائزہ، (جدید پبلیکیشنز 2010)، ص75_86

۹۔ ایضاً، ص23

۱۰۔ عطاء الرحمٰن قاسمی، شاہ ولی اللہ اور ان کے افکار و نظریات، (مکتبہ خلیل 2005ء)، ص124

۱۱۔ ایضاً، ص231

۱۲۔ ایضاً، ص263

۱۳۔ ایضاً، ص81

۱۴۔ ایضاً، ص434

۱۵۔ ایضاً، ص98

۱۶۔ ایضاً، ص354

۱۷۔ ایضاً، ص263_265

۱۸۔ ایضاً، ص81_83

۱۹۔ ایضاً، ص95_97

۲۰۔ محمد خالد اسمٰعیل، تاریخ تہذیب و تمدن اسلام، (عامر سنز 2004ء)، ص116

۲۱۔ ایضاً، ص117_138

۲۲۔ حسین محمد قریشی، ڈاکٹر، شاہ ولی اللہ دہلوی کے فقہی افکار کا تحقیقی جائزہ، (جدید پبلیکیشنز 2010ء)، ص80، 100

۲۳۔ عبیداللہ سندھی، شعور و آگہی، (زینب مطبوعات 2009ء)، ص17_21

۲۴۔ فضل احمد، پروفیسر، ڈاکٹر، تاریخ فقہ مع عصر حاضر کے جدید فقہی مسائل، (عامر سنز 2002ء)، ص55_56

۲۵۔ عبیداللہ سندھی، شعور و آگہی، (زینب مطبوعات 2009ء)، ص153_154

۲۶۔ ایضاً، ص138_141

۲۷۔ ایضاً، ص141

۲۸۔ محمد میاں، علمائے ہند کا شاندار ماضی، (جدید پبلیکیشنز 2010ء)، ص403

۲۹۔ آزاد شاہ پوری، دعوت و عزیمت کے روشن ستارے، (البدر پبلیکیشنز 2010ء)، ص204

© rasailojaraid.com